ڈاکٹر طارق ہاشمی

استاد شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

فنِ تحریر کی تاریخ اور اُردو حروفِ تہجی کی تشکیل و انواع

Dr. Tariq Hashmi

Department of Urdu, G C University, Faisalabad

The History of the Art of Writing and Udru Alphabets

According to modern theories of linguistics words are just signifiers and have no more value but symbols of human's conscious experiences but no one can deny the fact that these symbols are being used in all languages of the word and all human beings express their views and thoughts through them.

This question is no doubt very important that the art of writing in letters have pased how many stages.This question not relates to the linguistics but also to the history of man's mental develovment and his way of expression. History tells us that the alphabets have been enshaped since one thousand BC and having progressed through different stages have established themselves irrevocably.

’’تقریری الفاظ ذہنی تجربے کی علامتیں ہوتی ہیں اور تحریری الفاظ تقریری الفاظ کی‘‘۔ ارسطو کے اِس نظریے کی بازگشت عصری ،لسانی نظریہ سازی میں بھی سنائی دیتی ہے، جس کی رو سے تحریر محض ایک مجموعہ علامات ہوتی ہے۔ الفاظ کی حیثیت نشان (SIgnifier) یا معنی نما کی سی ہے اور قرطاس پر مختلف حروف کی صورت میں جو کچھ اُتارا گیا ہوتا ہے وہ بیان کی ایک ظاہری سطح۔ مذکورہ مواد آئس برگ کے اُس اوپری سرے کی طرح ہے جو سمندر کی سطح پر تیر تا رہتا ہے۔

یہاں سوسیر اور دیگر ساختیاتی ناقدین کے فلسفۂ لسان اور اُس کی اصطلاحات کی تکرار کا موقع نہیں لیکن فنِ تحریر کی تاریخ وہ حیران کن رُدواد ہے جس کے مطالعے سے یہ حقیقت کھلتی ہے کہ لفظ جو محض ایک معنی نما قرار پایا ہے اُس کی نشو و نما کے

مدارج کتنے زمانوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور انسان جو حیوان ناطق ہے اپنے نطق سے ادا ہونے والے الفاظ کو دوام دینے کے لیے کیا کیا قرینے تلاشتا اور تراشتا رہا ہے۔

فنِ تحریر کی تاسیس وارتقا کے مطالعے کو اصطلاحی طور پر ترسیمیات کا نام بھی دیا گیا ہے جبکہ مغرب میں Graphonomy /Grammatology اور Graphemics کی اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔ یہ فن کب اور کس طرح معرضِ وجود میں آیا، یہ سوال اہم ہے اور اِس کا جواب کسی ایک شعبۂ علم کے توسط سے حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ حرف، لفظ اور اُن سے جنم لینے والے رسم الخط کا مطالعہ اب اِس قدر وسعت اختیار کر چکا ہے کہ یہ محض لسانیات تک محدود نہیں رہا بلکہ تلاش و جستجو کے اِس عمل میں درست نتائج کے حصول کے لیے اساطیر، قدیم تاریخ، علم الانسان اور تہذیب و ثقافت بھی بنیادی ماخذ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

فنِ تحریر کی ابتدا سے متعلق روایات کس حد تک درست ہیں، اِس بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا ہے لیکن یہ مباحث اپنے اندر ایک عمدہ اسطوری ذائقہ ضرور رکھتے ہیں۔ رسم خط کو دیوتاؤں کی عطا ہی نہیں خیال کیا گیا بلکہ مختلف تہذیبوں میں اگر رسم ہائے خط کی وجہ تسمیہ معلوم کی جائے تو نہایت دلچسپ نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ مصرِ قدیم میں مروّج خط ہیروغلیفی در اصل یونانی لفظ ہے جو مرکب ہے ہیروس اور فاؤس کا۔ اوّل الذکر کا معنی ''مقدس شے'' ہے جب کہ مؤخر الذکر کا مطلب نقش یا تصویر ہے۔ یوں ہیروغلیفی کا معنی ''مقدس نقوش'' قرار پاتا ہے۔ اِسی طرح ہندی تہذیب میں ''دیوناگری'' کا معنی دیوتاؤں کا خط ہے۔ قدیم دور میں ایک خط براہمی بھی تھا جو براہما کے نام پر ہے۔ اِس سلسلے میں دیواندر ناتھ شرما نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

> سنسکرت میں بھاشا کے لیے براہمی کا لفظ اِستعمال ہوتا کیونکہ زبان کو بھی خدا کی دین کہا جاتا ہے۔ اِس کو برہمنوں کی تخلیق بھی کہا جاتا ہے۔ (۱)

ابن ندیم کی ''الفہرست'' کا مقالۂ اوّل بعنوان ''لغاتِ اقوام عرب و عجم کے بیان میں'' رسم خط کے بارے میں بعض روایات کا ایک دلچسپ عکس یوں پیش کرتا ہے:

> اِس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے عربی رسم الخط کی بنیاد کس نے رکھی۔ ہشام کلبی کا بیان ہے کہ اِس کا اولین موجد عربِ عادیہ کا ایک گروہ ہے جنھوں نے عدنان بن اُدّ کے ہاں قیام کیا۔ ابن کوفی کی تحریر کے مطابق اُن کے نام یہ تھے:
>
> ابوجاد، ہواز، حُطی، کلمون، صعفص، قریسات
>
> اِس شکل و اعراف کی کتابت کا نداز انھوں نے اپنے ناموں کے مطابق مقرر کیا پھر اُن کے علم و مطالعہ میں وہ حرف آئے جو اُن کے ناموں میں موجود نہ تھے مثلاً ثا، خا، ذال، ظا، ثین۔ حنین۔ اِن کا نام انھوں نے روادف قرار دیا۔۔۔ میں نے یہ نام ابنِ ابی سعد کی تحریر میں اِس شکل و صورت اور اعراب میں پڑھے ہیں:

ایجاد، ہاوز، حاطی، کلمان، صاع فض، قرست

کہتے ہیں یہ آخری قافلہ تھا جو عدنان بن اڈ وغیرہ کے ہاں آ کر ٹھہرا، جب ان لوگوں نے اپنے آپ کو عربوں کے قالب میں ڈھال لیا تو عربی اندازِ کتابت وضع کیا۔ (۲)

علامہ ابوالفضل نے ''آئینِ اکبری'' میں ایک عبرانی روایت کی قدیم روشنی میں اسلوب کتابت کا واضع حضرتِ آدم کو اور بعض دیگر روایات کی رُو سے حضرت ادریسؑ کو قرار دیا ہے۔ (۳)

مولوی سید احمد دہلوی نے اِسی نکتے کی روشنی میں اِسے ابجد ادریس لکھا ہے۔ اُن کے نزدیک حضرتِ ادریس نے اِس ابجد کو ترتیب دے کر آٹھ بامعنی کلمے بنائے، جو یہ ہیں:

''۱۔ابجد ___ میرا باپ گنہ گار پایا گیا یعنی اُس سے گناہ صادر ہوا۔

۲۔ہوز ___ یعنی اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی

۳۔حطّی ___ اُس کے گناہ اُس کی توبہ واستغفار سے کھو دیے گئے۔

۴۔کلمن ___ زبان پر کلمۂ حق لایا۔ اِس سے اُس کی توبہ قبول ہوی۔

۵۔سعفص ___ دُنیا اُس کے اُوپر تنگ ہوگئی، پس بہادی گئی۔

۶۔قرشت ___ اپنے گناہوں کا اقرار کیا، جس سے کرامت کا شرف حاصل ہوا۔

۷۔ثخذ ___ خداتعالی نے اسے قوت دی۔

۸۔ضظغ ___ شیطان کا جھگڑا کلمۂ توحید کی برکت سے مٹ گیا۔'' (۴)

مذکورہ اسطوری روایات اپنے اندر دلچسپی کا عنصر رکھتی ہیں لیکن انھیں نہ تو تسلیم کرنے کے کوئی ٹھوس شواہد موجود ہیں نہ ہی تردید کے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ رسم الخط کی ایجاد انسان کی اپنی متفرق ضروریات کے تحت ہوئی۔ یہ ضرورتیں سماجی بھی تھیں اور معاشی بھی۔

جب اِنسان کے باہمی تعلقات میں بعض معاملات نے اِس قدر وسعت اختیار کی کہ انھیں ذہن میں یادداشت کی صورت میں محفوظ رکھنا ممکن نہ رہا تو پہلے پہل تو مختلف علامتوں کی مدد لی گئی لیکن بعد ازاں تحریر کا طریقۂ کار اختیار کیا جانے لگا، یوں کرّہ ارض پر اولین علمی ایجاد رسم الخط کی بنیاد گزاری ہوئی۔ اِس سلسلے میں سبطِ حسن لکھتے ہیں:

> دراصل تحریر کا فن مندروں کی معاشی ضرورتوں کے باعث وجود میں آیا۔ مندر کی دولت چونکہ دیوتاؤں کی ملکیت ہوتی تھی، اس لیے پروہتوں کو اس کا باقاعدہ حساب رکھنا ہوتا تھا۔ زرعی پیداوار کا حساب، بیج، آلات اور اوزار کا حساب، چڑھاوے اور قربانی کا حساب، کاری گروں کی مزدوری کا حساب بیچ، اشیائے برآمد و درآمد کا حساب، غرضیکہ آمدنی اور خرچ کی درجنوں مدیں تھیں اور ذہین سے ذہین پروہت بھی اِس وسیع کاروبار کا حساب اپنے ذہن میں محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ (۵)

علم الکتابت کی تاریخ کے باب میں مولانا عبدالرزاق کا بھی یہی خیال ہے کہ حروف کی تشکیل، ارتقا انسان کی کاروبار تجارتی ضرورتوں کے مرہونِ منت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> تاریخِ اقوام سے ظاہر ہے کہ جب فونیقی قوم کا مصریوں سے سلسلۂ تجارت شروع ہوا تو اُن کو کتابت کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھوں نے مصری خطوط کا استعمال سیکھا اور مصری ابجد سے ۱۵ حروف لیے باقی ہے۔ حروف خود ایجاد کیے اور ۲۲ حروف کی جداگانہ شکلیں بنائیں۔ (۶)

رسم الخط کی ایجاد کا پہلا مرحلہ حروف کے بجائے تصاویر تھا۔ یہ تصویری رسم الخط Pictograph کہلاتا ہے۔ سمیری، ہیروغلیفی، اور ہراطیقی رسم الخط تصاویر پر مشتمل تھے۔ ابتدا میں ان تصاویر کی تعداد ہزاروں میں تھی جو رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی۔ تصاویر نے بعد ازاں حروف کی شکل اختیاری یعنی پہلے جو تصویر بنایی جاتی تھی وہ آہستہ آہستہ مجرّد ہوتی گئی اور مکمل نقش کے بجائے دائرے اور خط معرض وجود میں آئے۔ سب سے پہلا رسم الخط خط پیکانی تھا جسے خط میخی یا خط مسماری بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اہل سومیر گیلی مٹی کی چھوٹی چھوٹی لوحوں پر سرکنڈے یا بید مشک کے قلم سے لکھتے تھے۔ اس عمل کے باعث تصویری حروف لامحالہ پیکانی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ (۷)

حرفی رسم خط کی بنیاد گزاری میں فنیقیوں کی خدمات سب سے زیادہ انقلابی خیال کی جاتی ہیں۔ فنیقیوں کا زمانہ کم و بیش ایک ہزار سال قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔ اس قوم پر لسانی اعتبار سے آرامی عنصر غالب تھا۔ بعض روایات کی روشنی میں فنیقی خط، اوّل آرامی تھا جو دنیا کا پہلا باقاعدہ تحریری خط ہے۔ دنیا کے بیشتر خطوط آرامی سے ماخوذ ہیں۔۔۔ حروف کی ایجاد نے تحریر کو مقبول بنا دیا۔۔۔ ان کا سیکھنا اور لکھنا آسان ہو گیا۔ اس وجہ سے خواندہ افراد کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ متمدن دنیا نے اس ایجاد کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ حتیٰ کا مصر اور بابل میں بھی یہ خط مقبول ہو گیا۔ وہاں کے سابقہ رسم الخط متروک ہوتے چلے گئے۔ عبرانیوں نے اپنی مقدس کتاب تورات اسی رسم الخط میں لکھی ایرانیوں نے بھی زردشت کی مقدس ''اوستا'' اسی خط میں لکھی۔ یونانیوں نے آرامیوں کی شاخ فنیقیوں سے یہ خط حاصل کیا اور اس زبان کو اسی خط میں لکھا۔ (۷)

تحریر کے لیے حروف کی بنیادی تشکیل کے بعد ہر خطے اور ہر تہذیب نے اسے اپنے انداز میں اختیار کرتے ہوئے اپنی مخصوص تہذیبی فضا اور لسانی تقاضوں کی روشنی میں تبدیلیاں کیں۔ یہ تبدیلیاں رسم الخط کی بھی تھیں، حروف کی تعداد میں کچھ خاص آوازوں کے مطابق اضافہ سے متعلق بھی تھیں اور تعلیم کے نقطہ نظر سے ان کی ترتیب نو کی شکل میں بھی تھیں۔

یہ ایک دلچسپ امر ہے کہ ہزاروں سال کی مسافت اور لسانی بعد کے باوجود رسم الخط کی جگہ پر عربی اور انگریزی میں کئی ایک باتیں مشترک ہیں۔ مثلاً انگریزی میں حروف تہجی کو Alphabet کہا جاتا ہے۔ عربی اور اس کے زیر اثر زبانوں میں حروف کی ابتداء الف اور ب سے ہوتی ہے۔ انگریزی کا Beta عربی میں بیت یعنی گھر ہے اور یہی حرف 'ب' (B) کی وجہ تسمیہ بھی ہے۔ اسی طرح حروف کی ترتیب ابجد کو دیکھا جائے تو اس کے تین سیٹ ایسے ہیں جن میں حروف کی ترتیب اور

آوازیں انگریزی کے حروف تہجی سے مماثلت رکھتے ہیں۔ یہ تین سیٹ 'ابجد'، 'کلمن' اور 'قرشت' ہیں۔

ابجد　　ا ب ج د　ABCD

کلمن　　ک ل م ن　KLMN

قرشت　　ق ر ش ط　QRST

یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری ہے کہ انگریزی میں "C" کی آواز اگرچہ "س" یا" ک" کے لیے مخصوص ہو گئی ہے لیکن اس کی اصل آواز "ج" ہے۔ 'ج' کی وجہ تشکیل جمل یعنی اونٹ ہے اور C کی وجہ تشکیل بھی یہی یعنی Camel ہے۔

مذکورہ سیٹوں میں صرف ترتیب ہی بلکہ بعض حرفوں کا انداز تحریر بھی یکساں ہے۔ مثلاً:

ا (A)، ج (C)، د (D)، ک (K)، ل (L)، اور ق (Q)۔

عربی حروف تہجی کی موجودہ ترتیب ابجد کے بجائے ابتث ہے۔ روایت ہے کہ یہ ابن مقلہ (۹) نے ترتیب دی تھی اور مقصد تدریسی تقاضے کی تکمیل تھا۔ کہ اس طرح حروف کو یاد رکھنا طالب علموں کے لیے آسان ہوگا۔

جس طرح ہر قوم نے اپنی ضروریات کے تحت حروف کی تشکیل و ترتیب نو کی اس طرح تحریر کی جہت کا بھی اپنے مخصوص عقلی دلائل سے تعین کیا۔ عربی، سریانی، عبرانی دائیں سے بائیں جانب جب کہ رومی، یونانی اور قدیم فارسی بائیں سے دائیں جانب لکھی جاتی رہیں اور اب بھی مذکورہ زبانوں میں سے مروج زبانوں میں یہی رسم تحریر ہے۔ عربی میں حروف پر اعراب، نقطوں اور شوشوں کا اہتمام بعد از اسلام ہوا۔ ابوالاسود دوئلی (۱۰) نے 50 ہجری میں نقطے بطور اعراب ایجاد کیے بعد ازاں نصر بن عاصم (۱۱) نے حجاج بن یوسف کی ہدایت پر اعراب کے لیے نقطوں کا رنگ قرمزی اور حروف کے تشخص کے لیے سیاہ نقطوں کو رواج دیا۔ عبدالرحمٰن خلیل بن عروضی نے اعراب کی شکلیں وضع کر کے نقطوں اور اعراب میں حد امتیاز قائم کر دی۔

اردو زبان کا رسم الخط اگرچہ عربی ہے تاہم یہ زبان تین زبانوں ہندی، فارسی اور عربی کا مجموعہ ہے۔ لہذا اس کا رسم الخط بھی Indo-perso-arabic ہے اور اس میں ان خاص آوازوں جن سے عربی محروم ہے لیکن وہ فارسی یا ہندی میں پائی جاتی ہیں کے لیے حروف کی تشکیل کا اہتمام اس ہنروری سے کیا گیا ہے کہ کسی نوع کی اجنبیت یا تصنع کا احساس نہیں ہوتا۔

اُردو کے حروف تہجی کو مذکورہ زبانوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اِس کو درج ذیل مدّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

i۔　خالص فارسی حروف: ژ

ii۔　خالص ہندی حروف:

ٹ، ڑ، ڈ۔ ان کے علاوہ دوچشمی سے بننے والے حروف جو ہائیہ آوازوں کو ظاہر کرتے ہیں بھی خالص ہندی حروف ہیں جو یہ ہیں: بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، کھ، گھ، دھ، ڈھ، رھ، ڑھ، لھ، مھ، نھ،

iii۔ ہندی عربی مشترک:

ا، ب، ت، ج، د، ر، ز، س، ش، ک، ل، م، ن، و، ہ، ی

iv۔ ہندی فارسی مشترک:

ا، ب، پ، ت، ج، چ، د، ر، ز، س، ش، ک، گ، ل، م، ن، و، ہ، ی

v۔ فارسی عربی مشترک:

ا، ب، ت، ج، ح، خ، د، ر، ز، س، ش، ع، غ، ف، ق، ک، ل، م، ن، و، ہ، ی

vi۔ ہندی فارسی، عربی مشترک:

ا، ب، ت، ج، د، ر، س، ش، ک، ل، م، ن، و، ہ، ی

مشترک حروف کے سلسلے میں یہ بحث نامکمل رہے گی۔ اگر اس نقطے کی طرف اشارہ نہ کیا جائے۔ کہ اُردو میں درج ذیل حروف جن الفاظ میں استعمال ہوں گے وہ عربی الاصل ہوں گے۔ یہ الگ بات کہ مذکورہ الفاظ بعد ازاں فارسی اور اُردو زبان کے ذخیرہ ہائے الفاظ کا حصہ بن گئے یہ حروف درج ذیل ہیں:

ق، ث، ح، ص، ض، ط، ظ، ع، غ

زبان، مجموعۂ اصوات ہوتی ہے۔ اردو کے حروفِ تہجی کو اگر اصوات یا مخرج کے اعتبار سے دیکھیں تو اِن کی درج ذیل قسمیں ہیں:

i۔ شفویہ (Labial): یہ وہ حروف ہیں جو لبوں سے ادا کیے جاتے ہیں یعنی ب، پ، ف، م، و،

اُردو شاعری میں شفویہ حروف کے استعمال کے لحاظ سے ''واسع الشفتین'' بھی صنائع شعری کا حصہ رہی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ شعر میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہ ہو جس سے لب آپس میں ملتے ہوں ۔ اس سلسلے میں نظیر اکبر آبادی کی ایک پوری غزل اس صنعت میں ہے۔ (۱۲) دو شعر ملاحظہ ہوں:

آیا نہیں جو کر کر اقرار ہنستے ہنستے
جُل دے گیا ہے شائد عیار ہنستے ہنستے
آیا ہے دیکھنے کو تیرے نظیر اے گُل
دکھلا دے ٹک تو اِس کو دیدار ہنستے ہنستے

اس کے متضاد ایک دوسری صنعت ''واصل الشفتین'' بھی ہے۔ جس میں شعر میں ایسے حروف استعمال کیے جاتے ہیں۔ جن کے پڑھنے سے لب آپس میں مل جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر یعقوب عامر نے شمس الرحمٰن فاروقی کا یہ دلچسپ شعر بطور مثال پیش کیا ہے (۱۳):

بد بر مجھے بد بات بتائے بھی مگر

پاکیزہ پیمان محبت میرا

ii۔ لثویہ (Gingival): یہ وہ حروف ہیں جنہیں ادا کرتے ہوئے مسوڑھوں پر زبان پڑتی ہے یعنی ث، ذ، ظ

iii۔ اسلیہّ (Sibilant): یہ حروف جو صفیری آوازوں کی ادائیگی کے لیے ہیں اور اِن کا مخرج زبان کی نوک ہے یعنی ز، س، ص،

iv۔ ذلقیہ (Laguid): یہ وہ حروف ہیں جن کا مخرج زبان کا وہ حصہ ہے جہاں وہ سامنے کی طرف ختم ہو جاتی ہے ر، ل، ن

v۔ شجر یہ: یہ وہ حروف ہیں جن کی ادائیگی کے وقت ہونٹ کھلے رہتے ہیں یعنی ج، چ، ژ، ش، ض،

vi۔ نطعیہ: اِن حروف کے تلفظ میں زبان مسوڑھوں سے اوپر تالو کے اُس حصے سے جا کر ملتی جو کھردرا اور ناہموار ہے یعنی ت، د، ط

vii۔ لہویہ: وہ حروف جو کوّے کے ذریعے ادا کیے جاتے ہیں یعنی ق، ک، گ

viii۔ حلقیہ: ایسے حروف جو حلق سے ادا کیے جاتے ہیں یعنی ح، خ، ع، غ، ہ

ix۔ لینہ: یہ وہی حروف ہیں جنھیں حرفِ علت بھی کہا جاتا ہے یعنی ا، و، ی۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حروفِ علت کی دوہری حیثیت کے بارے میں بھی ایک توضیح کر دی جائے۔

جس طرح انگریزی میں A, E, I, O, U واول (Vowel) ہیں مگر بعض حالتوں میں حروفِ صحیح (Consonent) کے طور بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح اُردو میں مذکورہ حروفِ علت بھی بعض اوقات حرف صحیح کا کام دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں رشید حسن خان نے حرف الف پر گفتگو کرتے ہوئے یہ نکتہ یوں واضح کیا ہے:

> الف، واو، ی، اِن تین حرفوں کو ''حروفِ علت'' کہا جاتا ہے۔ باقی حرف ''حروفِ صحیح'' کہلاتے ہیں۔ اِس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنا چاہئے کہ اِن تینوں حرفوں کے کردار میں ''دُہراپن'' پایا جاتا ہے، اور وہ اِس طرح کہ جب یہ متحرک ہوتے ہیں، اُس وقت ''حروفِ صحیح'' کی طرح حرکات (زبر، زیر، پیش) کو قبول کرتے ہیں، اور یہ اِن کے کردار کا ایک رُخ ہوتا ہے، جیسے: اَب، وطن، یَم۔ ان لفظوں میں الف، واو، ی کا وہی عمل ہے جو دوسرے حروف کا ہوتا ہے۔ ہاں جب یہ ساکن ہوں گے، تب ان کے کردار کا دوسرا رُخ نمایاں ہوگا اور اُس صورت میں یہ ''حروفِ علت'' ہوں گے جیسے: بڑا، بوٹ، بیٹ (۱۴)

حروفِ علت کے سلسلے میں یہ امر بھی واضح رہے کہ اُردو میں حرف علت کا کام محض حروف سے نہیں بلکہ اعراب سے بھی لیا جاتا ہے۔

اُردو حروفِ تہجی کو خطاطی کے ماہرین نے اُن کی ہیت کے لحاظ سے بھی تقسیم کر کے اُن کو چھے حصوں میں بانٹا ہے۔ بناوٹ کے اعتبار سے یہ تقسیم کچھ یوں ہے:

i۔ عمودی: ایسے حروف جو عمودی شکل میں ہوتے ہیں۔ یعنی ا

ii۔ مستوی: ایسے حرووف جو لیٹے ہوئے ہوتے ہیں یعنی ب، ت، ٹ، ث، ف

iii۔ مدوّر: ایسے جو حروف دائرے کی شکل میں لکھے جاتے ہیں یعنی ج، س، ص، ع، غ، ق، م، ن، ہ، ء

iv۔ عمودی مستوی: ایسے حروف جو کھڑے ہوئے بھی ہوں اور لیٹے ہوئے بھی۔ یعنی ک، گ،

v۔ عمودی مدوّر: ایسے حروف جو کھڑے بھی ہوں اور دائرے کی شکل میں بھی یعنی ل،

vi۔ غیر عمودی: ایسے حروف جو اوپر دی گئی تمام اقسام سے مختلف ہیں یہ نہ تو کھڑے ہوتے ہیں نہ تو گول جیسے د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، ژ، و۔

کسی اور زبان میں حروف کو بلحاظ جنس تقسیم کر کے ان کی تذکیروتانیث بنائی گئی ہو یا نہیں مگر یہ نکتہ اُردو کے حروف تہجی کے حوالے سے بہت دلچسپ ہے کہ بعض حروف کو مذکر اور بعض حروف کو مونث پکارا جاتا ہے یہ تذکیروتانیث بے جان اشیاء کی طرح غیر حقیقی ہے اور حروف کی صنفی حیثیت کے حوالے سے کوئی واضح اصول بھی نہیں ہے۔ اردو میں درج ذیل حروف مذکر ہیں:

الف، ج، س، ش، ع، غ، ق، ک، گ، ل، م، ن، ء۔

جبکہ مونث حروف یہ ہیں:

ب، پ، ت، ٹ، ث، چ، ح، خ، د، ڈ، ذ، ز، ڑ، ژ، ص، ض، ط، ظ، ف، و، ہ، ی، ے۔

اردو کا شمار دنیا کی ان زبانوں میں ہوتا ہے جن کا رسم الخط دائیں سے بائیں لکھا جاتا ہے۔ لیکن انفرادی طور پر اردو کے بعض حروف تہجی بائیں سے دائیں لکھے جاتے ہیں۔ یہ حروف درج ذیل ہیں:

ج، چ، ح، خ، ع، غ

اردو کے حروف تہجی جب کسی لفظ کا حصہ بنتے ہیں تو ان کی شکل میں جزوی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور ان کو ایک دوسرے سے جوڑ بھی دیا جاتا ہے۔ یہاں دلچسپ امر یہ ہے کہ بعض حروف ایسے بھی ہیں کہ ان سے پہلے تو حروف کو جوڑا جا سکتا ہے لیکن بعد میں نہیں۔ ان حروف میں الف، د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، ژ، واو ء شامل ہیں۔

اُردو شاعری میں حروف اس صفت کے لحاظ سے بھی دو صنعتیں ''صنعتِ مقطع'' اور ''صنعتِ موصّل'' بھی رائج رہی ہیں۔ ذیل میں مذکورہ صنعتوں کی مثالیں بالترتیب ملاحظہ ہوں:

اے آدم زاد واہ واہ واہ

عشق ہی عشق ہے نہیں ہے کچھ

عشق بن تم کہو کہیں ہے کچھ

یہ امر جیسا کہ گذارش کیا جا چکا ہے کہ حروف پر نقطوں کا اہتمام بعد میں کیا گیا۔ اِس زاویے سے بھی دیکھیں تو اُردو حروفِ تہجی کے دو گروہ تشکیل پاتے ہیں۔ یعنی منقوط اور غیر منقوط۔ اس سلسلے میں اُردو شاعری میں بعض صنائع شعری بھی ایجاد ہوئیں جن میں صنعتِ غیر منقوط، صنعتِ فوق النقاط اور صنعتِ تحت النقط شامل ہیں۔

اُردو میں خالص ہندی حروف پر فی زمانہ چھوٹی ط کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ آغاز میں ان حروف پر بھی چار نقطوں کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اور ٹ، ڈ، اور ڑ کے لیے بالترتیب ت، د، اور ر پر ایک قطع خط کا استعمال بھی ملتا ہے۔

فنِ تحریر کی تاریخ کا ارتقائی سفر اور اُردو حروفِ تہجی کی تشکیل کا عمل جہاں اپنے اندر بعض دلچسپ نکات رکھتا ہے وہاں اس کے رسم الخط میں بعض انفرادیت کے پہلو بھی موجود ہیں۔ اُردو حروف کی اصوات، ہیت اور انواع کا مطالعہ اردو زبان کے بہت سے منفرد لسانی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ خصوصاً اس زاویے سے کہ اردو زبان کے حروفِ تہجی میں تین متفرق زبانوں کے اصوات شامل ہیں۔

حوالہ جات/حواشی

۱۔ دیواندر ناتھ شرما: "رسم خط یا لپی کا ماضی" دہلی ہمایوں، جنوری 1969ء، ص83

۲۔ ابن ندیم: "الفہرست" (مترجم: اسحاق بھٹی، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، 19، ص

۳۔ ابوالفضل فیضی: "آئین اکبری" (ترجمہ) جلد اول، ص ۱۸۲

۴۔ سید احمد دہلوی: " فرہنگ آصفیہ " لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء۔ سید احمد دہلوی کے مذکورہ نکتے کا مآخذ مولوی محمد لاد کی "موید الفضلا" ہے جس میں انہوں نے کلمات ابجد کی یوں وضاحت کی ہے:

"ابجد=نکار بسیار کرد از عصیاں

ہوز = پیروی کرد خواهش خود را

حطی = نابود شُد گناه او با ستغفارو توبه احسان گردید به او به عفو رحمت

کلمن= کلام کرد بکلمه که محتوی به طلب رحمت بود، پس توبه قبول کرد خدا ، و احسان قبول و رحمت

سعفص= تنگ گردید دنیا بر آدم و سختی آورد به او

قرشت= گرفتار شُد به باعث گناه، پس پرده پوشید به سبب کرامت و اکرام

ثخذ = بگرفت از جانبِ خدائے تعالیٰ عفو وصفح و در گزر
ضظغ =باز داشته از آدم گزندگی لا له الا الله محمد رسول الله علیه و سلم
.ملکی بود نام پسر او این بود ابلیس لعین به دعا و قول لا له الا الله...

۵۔ سبطِ حسن: "ماضی کے مزار" ص۳۲

۶۔ مولانا عبدالرزاق: "ادب، زبان، قواعد" پٹنہ، خدا بخش لائبریری، س۔ن، ص۱۶

۷۔ سبطِ حسن: "ماضی کے مزار" ص۳۶

۸۔ پروفیسر محمد سلیم: "اردو رسم الخط" کراچی، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۱ء، ص۱۵

۹۔ ابن مقلہ عباسی خلیفہ المقتدر کا وزیر ہے۔ اس کے علاوہ الراضی کے دور میں بھی کچھ عرصہ وزارت پر ممکن رہا۔ علم و فضل میں بھی خوب شہرت رکھتا ہے۔ اس کا شمار عربی خطاطی کے موجدوں میں ہوتا ہے۔

۱۰۔ ابوالاسود دوئلی حضرت علیؓ کا ساتھی تھا جو بصرے کا گورنر بھی رہا اور حضرت ابن عباسؓ نے اسے کچھ عرصہ کے لیے حجاز میں قائم مقام بھی مقرر کیا۔ اس کی وجہ شہرت شاعری بھی ہے مگر اصل اہمیت واضعِ اعراب قرآن کے طور پر ہے (اگرچہ بعض روایات کی روشنی میں یہ بات درست نہیں۔)

۱۱۔ نصر بن عاصم کو یہ کام خلیفہ عبدالملک بن مروان کی ہدایت پر عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے تفویض کیا تھا۔

۱۲۔ نظیر اکبر آبادی: کلیاتِ نظیر (مرتبہ مولانا عبدالباری آسی)، لاہور، مکتبہ شعر و ادب، ۱۹۸۶ء، ص۱۷۷

۱۳۔ ڈاکٹر یعقوب عامر: ''صنائع لفظی'' مشمولہ ''درسِ بلاغت'' قومی کونسل برائے فروغِ اُردو، ۲۰۰۷ء (پانچواں ایڈیشن) ص۸۰

۱۴۔ رشید حسن خان ''اُردو املا'' لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۲۰۰۷، ص۴۳